Fikr-o-Nasar (Islamabad) 5:7 (1968)

قسط نمبر ۶

تشکیل قوانینِ اسلامی کے مراحل

مفتی امجد العلی ✕ ادارہ تحقیقات اسلامی

اس کے علاوہ بعض مواقع ایسے پیش آجاتے ہیں جہاں فعل مباح اس کے ترک پر راجح ہو جاتا ہے۔ اور بعض مواقع ایسے ہیں جہاں خصوصیت کے ساتھ شارع علیہ السلام کا قصد مباح کے ترک سے متعلق ہوتا ہے۔ مثلاً طلاق کا باوجود مباح ہونے کے مبغوض ہونا۔ اسی طرح لہو ولعب مباح ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی مذمت کی گئی ہے وغیرہ[1]

اس اشکال کے جواب میں علامہ شاطبی لکھتے ہیں: ۔ شارع کے نزدیک مباح وہی ہے، جس میں فعل وترک دونوں مساوی ہوں۔ لہٰذا جہاں کسی مباح کی ایک جانب کو دوسری جانب پر ترجیح ہو جائے تو پھر یہ مباح، مباح ہونے سے خارج ہو جاتا ہے۔ یا تو اس لئے کہ اب اس کی حقیقت اباحت نہ رہی یا اس لئے کہ وہ اگرچہ اصل کے اعتبار سے مباح تھا لیکن اب ایک خارجی امر کی بنا پر مباح ہونے سے خارج ہو گیا، اور یہ بات مسلّم ہے کہ مباح مختلف مقاصد اور امور خارجیہ کے اعتبار سے کبھی غیر مباح ہو جاتا ہے[2] اس خلاصہ تقریر سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ مباح "من حیث ھو" وہی ہے جو قابل تبدل وتغیر ہو۔ اور خارجی حالات وحوادث کے تحت اس کی کسی ایک جہت کو تقیید وغیرہ کے ساتھ ترجیح دے دی جائے۔ اور جب تک وہ خارجی مقصد وعلت باقی رہے، اس وقت تک وہ پابندی صحیح اور باقی متصور ہو۔ پھر اگر کسی دوسرے وقت میں اس کی دوسری جانب کے ترجیح کے علل واسباب پیدا ہو جائیں تو اوّل ناقابل عمل قرار پاکر جانب مرجوح قرار پائے گی۔ چنانچہ علامہ موصوف اسی مباح کی بحث میں اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے مثالاً فرماتے ہیں: ۔

---

[1] ملاحظہ ہو الموافقات ص ۶۸

[2] الموافقات جلد ۱ ص ۶۸

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

جب کوئی بچہ حُسنِ ادراک اور جودتِ فہم و حفظ معاملات کے درجہ کو پہنچ جائے تو اس وقت اس کے مربی پر یہ ضروری ہوتا ہے کہ معاشرتی زندگی میں اس بچے کے فطری رجحان پر غور کرتے ہوئے اس کی تربیت کی بنیاد رکھے۔ مثلاً اگر بچہ کی طبیعت کا رجحان تعلیم و تعلم کی طرف ہے تو بچہ کے سرپرست پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ بچہ کو اس سلسلہ سے متعلق کر دے۔ اب اگر مختلف علوم میں سے کسی مخصوص علم کی طرف اس کی طبیعت کا میلان ہو جائے تو اس وقت لازم ہے کہ اسے اسی مخصوص علم کے معلمین کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ بچہ کی طبیعت اور رجحان کے پیش نظر اس کو تعلیم و تربیت دیں۔ لیکن اگر کسی دوسرے وقت میں اس بچہ کی طبیعت کا رجحان کسی دوسرے مخصوص علم کی طرف ہو جاتا ہے اور پہلے علم سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں رہتی تو ایسی صورت میں مربی پر لازم ہوگا کہ سابق سلسلہ کو ختم کر کے دوسری جانب کو اختیار کرے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں :-

فاذا فرض مثلاً واحد من الصبیان ظهر علیه حُسن ادراك وجودة فهم و وفور حفظ لما سمع وان كان مشارکا فی غیر ذلك من الاوصاف میل به نحو ذلك القصد وهذا واجب علی الناظر فیه من حیث الجملة مراعاة لما یرجی فیه من القیام بمصلحة التعلیم فطلب بالتعلیم وادب بالآداب المشترکة بجمیع العلوم ولابد ان یمال الی لبعض فیوخذ به ویعان علیه ولکن علی الترتیب الذی نص علیه ربانیو العلما۔ فاذ ادخل فی ذلك البعض فمال به طبعه الیه علی الخصوص واحبه اکثر من غیره ترك وما احبه وحض باهله فوجب علیهم انهاضه نبه حتیٰ یاخذ منه ما قدر له من غیر اهمالٍ له۔ ولاترك لمراعاته ثم ان وقف هنالك نحن وان طلب الاخذ فی غیره اوطلب به فعل معه فیه ما فعل قبله هکذا الی ان ینتهی [1]

اس پوری تقریر سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ مباح کا درجہ اپنی وضعی حیثیت میں ایسا درجہ ہے جو تغیر پذیری کے قابل ہو اور اس سے عالم انسانی کے تجدد حاجات و ضروریات کے تقاضے پورے ہوتے رہیں۔ اور الموافقات کی جس عبارت سے ماہنامہ بینات نے تبصرہ میں اپنے دعویٰ پر استدلال کیا ہے، وہی عبارت اس کی دلیل ہے کہ مباح خارجی عوارض کے ذریعہ متبدل ہوتا رہتا ہے۔ اور صاحب الموافقات نے اسے امثلہ کے ذریعہ ثابت کیا ہے۔ چنانچہ علامہ شاطبی کی اس عبارت میں یہ دعویٰ کہیں موجود نہیں کہ مباح شرعی کا تبدل

---

[1] الموافقات جلد صـ ۱۰۲

مداخلت فی الدین ہے۔ نیز اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ علامہ شاطبی کے نزدیک مباح شرعی، مباح کی کوئی ایسی قسم نہیں ہے جو مباح الاصل کی متقابل ہو، بلکہ جن امور کو مباح الاصل تصور کیا جائے گا وہ تمام و کمال مباح شرعی کہلانے کے مستحق ہیں، اس لئے کہ ان تمام مباحات کے حق میں نصوص کتاب اللہ و سنت موجود ہیں۔ اور مباح شرعی کی یہی تعریف کی گئی ہے کہ جس مباح کے متعلق کوئی نص وارد ہو وہ مباح شرعی کہا جائے گا۔

(۲) اور مستصفےٰ کی جس عبارت میں مباح کے اقسام بیان کرتے ہوئے ایک قسم کو مباح شرعی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، اس عبارت سے امام غزالیؒ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ مباح شرعی اور مباح الاصل کی دو قسموں کو ثابت کر کے مباح شرعی کے تبدل کو ممنوع قرار دیا جائے۔ (اور اس کو مداخلت فی الدین تصوّر کیا جائے) بلکہ بعنوان (مسئلہ) یہ ثابت کرنا ہے کہ اہل السنہ کے مقابلے میں فرقہ معتزلہ احکام شرعیہ کے اقسام میں نفس مباح کو داخل نہیں تصوّر کرتے۔ اس فرقہ کے نزدیک مکلّفین کے افعال پر جو احکام مرتب ہوتے ہیں، وہ صرف چار ہیں۔ واجب، محظور، مندوب، مکروہ (ان کے اقسام میں بھی معتزلہ کا اختلاف ہے) اور اپنی سابقہ بحث میں امام غزالی نے اسی کو بیان کیا ہے۔ لہٰذا ان کا اس عبارت میں (من الشرع) فرمانے کا وہ مطلب نہیں ہے جو سمجھا گیا ہے۔ غرض کہ مباح دو قسم کا ہے ایک شرعی اور دوسرا مباح الاصل۔ اور شرعی کا تبدل خواہ مخواہ جائز نہیں۔

غرض مسئلہ کی ابتدائی عبارت ملاحظہ ہو، جس میں مباح کے معنی بنظر معتزلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔ فمعنی اباحۃ الشرع شیئاً: انہ ترکہ علی ما کان علیہ قبل ورود السمع و لم یغیر حکمہ، وکل مالم یثبت تحریمہ ولا وجوبہ بقی علی نفی الاصل، فعبر عنہ بالمباح وھذا لہ غور[1]

پس شریعت کی کسی شے کو مباح کرنے کے یہ معنی ہیں کہ شرع کے وارد ہونے سے قبل شے جس حالت پر تھی اسی حالت پر اس کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور حکم میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا ہے، اور وہ شے جس کی تحریم ثابت نہ ہو اور نہ اس کا وجوب ثابت ہو اپنے اصلی معنی پر باقی رہتی ہے، اس کو مباح سے تعبیر کیا جاتا ہے

---

[1] المستصفی جلد اول مطبوعہ مصر ۱۹۳۷ء صفحہ ۴۸

اور یہ معنی قابل غور ہے ۔ یعنی (معتزلہ) کے نزدیک کسی شے کی اباحت کے یہ معنی ہوئے کہ دلیل سمعی کے وارد ہونے سے قبل شے جس حالت پر تھی اس کو شرع نے بغیر کسی تغیر کے اس کی سابقہ حالت پر چھوڑ دیا اور جس شے کا وجوب یا اس کی حرمت (شرع) کی طرف سے ثابت نہ ہو، نفی اصل پر باقی رہے گی اور اسی کو شرع مباح کے لفظ سے تعبیر کرتی ہے ۔ اور معتزلہ کا یہ قول اس قابل ہے کہ اس پر غور کیا جائے ۔ اس کے بعد امام غزالیؒ (وھذا لہ غور) کی بنیاد پر (وکشف الغطاء عنہ) کی عبارت سے اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ اس کے پیش نظر یہ چند اقسام پیدا ہو سکتے ہیں، پھر ان تین اقسام پر مشتمل عبارت کو بیان کیا ہے، جو کتاب "مجموعہ قوانین اسلام" کے تبصرہ نگار نے نقل کی ہے ۔ لیکن اس ضمن میں موصوف نے امام غزالی کی اس عبارت کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی جو اس کے بعد ان اقسام پر اعتراض کرتے ہوئے کتاب میں موجود ہے ۔ امام غزالی نے تیسری قسم (جس میں تخییر کا خطاب موجود نہ ہو، بلکہ کسی دوسری سمعی دلیل سے یہ سمجھا جاتا ہو کہ اس کے ترک و فعل میں کوئی حرج نہیں اور اگر یہ دلیل نہ ہوتی تو عقلاً یہی سمجھا جاتا کہ اس کے ترک و فعل دونوں مساوی ہیں) پر (فھذا فیہ نظر اذا اجتمع علیہ دلیل العقل والسمع ۔ پس یہ محل اعتراض ہے، اس لئے کہ اس میں دلیل عقلی اور نقلی دونوں جمع ہیں) فرما کر اعتراض کر دیا ہے ۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اس قسم کو نہ مباح شرعی کہہ سکتے ہیں اور نہ مباح اصلی ۔ اس کے بعد پھر دوسری دو قسموں پر بھی یہ اعتراض کیا ہے

وفی الطرفین الآخرین ایضاً نظر، اذ یمکن ان یقال: قول الشارع ان شئت فقم وان شئت فاقعد: لیس بتجدید حکم، بل ھو تقریر للحکم السابق ۔ ومعنی تقریرہ انہ لیس یغیر امرہ، بل یترکہ علی ما ھو علیہ فلیس ذلک امرا حادثا بالشرع فلا یکون شرعیاً ۔ واما الطرف الآخر ۔ وھو الذی لم یرد فیہ خطاب ولا دلیل فیمکن ایضاً انکارہ بان یقال: قد دل السمع علی ان ما لم یرد فیہ طلب فعل ولا طلب ترک فالمکلف فیہ مخیر و ھذا دلیل علی العموم فیما لا یتناھی من الافعال، فلا یبقی فعل الا مدلولا علیہ من جھۃ الشرع فتکون اباحتہ من الشرع [1]

---

[1] المستصفی جلد اول ص ۴۸

اور دوسری دونوں قسموں پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کہنا ممکن ہے۔ شریعت کا یہ حکم دینا کہ تم چاہو کھڑے ہو جاؤ چاہو بیٹھ جاؤ۔ اس میں کوئی جدید حکم نہیں ہے، بلکہ یہ (کلام) اسی سابق حکم کو پختہ کر دیتا ہے۔ اور پختگی کا یہ مطلب ہے کہ اس مباح کا حکم متغیر نہیں ہوا بلکہ اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا گیا تو یہ شریعت کی طرف سے کوئی جدید حکم نہ ہوا اس لئے اس کو مباح شرعی نہیں کہا جا سکتا۔ باقی رہی وہ قسم جس کے متعلق شرع نے کوئی تعرض نہیں کیا، نہ صراحۃً نہ دلالۃً۔ تو اس قسم (کے غیر شرعی ہونے کا) بھی انکار کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کہ کہا جائے گا۔ شرع کی دلالت اس امر پر موجود ہے کہ جس شئے کے فعل کا حکم یا اس کے ترک کا مطالبہ شرع نے نہ کیا ہو تو مکلف اس کے (فعل و ترک) میں مختار ہوگا، اور یہ ایک ایسی عام دلیل ہے کہ غیر متناہی افعال پر قائم ہے۔ اور اس حیثیت میں کوئی فعل ایسا باقی نہیں رہتا جس کے لئے شرعی دلالت موجود نہ ہو لہذا یہ اباحت بھی شرعی قرار پائی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس مباح کے متعلق شارع کی طرف سے تخییر کا خطاب موجود ہو، وہ بھی مباح شرعی نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ وہ خطاب حقیقت میں کوئی تجدیدی حکم نہیں ہوتا بلکہ حکم سابق کا اثبات ہوتا ہے۔ اور حکم سابق کے (بدستور) اپنی جگہ قائم رہنے کے اظہار کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ شرع نے اس میں کوئی تغیر نہیں کیا ہے بلکہ جس حالت پر وہ حکم تھا، اسی پر اسے باقی رکھا۔ اور یہ شریعت کی جانب سے کوئی جدید حکم نہ ہوا۔ لہذا یہ مباح شرعی نہ کہا جائے گا۔ باقی رہی مباح کی وہ قسم جس سے شرع نے صراحتاً یا دلالۃً کسی طور پر کوئی تعرض نہیں کیا تو اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ مباح شرعی ہے کیونکہ دلیل سمعی سے یہ ثابت ہے کہ شریعت کی طرف سے جس امر کے فعل یا ترک کا مطالبہ نہ ہو تو مکلف اس فعل میں مختار ہوگا۔ اور یہ دلیل ایسی دلیل ہے جو (انسان) کے غیر متناہی افعال پر قائم ہوتی ہے۔ لہذا اب کوئی ایسا فعل باقی نہیں رہتا جس کو مباح شرعی نہ کہا جائے۔ غرض امام غزالیؒ کی پوری تقریر کا ماحصل یہ ہوا کہ مباح کی جتنی اقسام پیدا ہو سکتی ہیں ان میں ایسی کوئی قسم نہیں ہے جو مباح غیر شرعی ہو بلکہ تمام اقسام کو مباح شرعی کے نام سے موسوم کرنا ہوگا اور جس طرح اہل سنت نے اسے احکام کی اقسام میں ایک پانچویں قسم قرار دیا ہے وہ تسلیم کرنا ہوگا۔ اس تقریر سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ایک قسم مباح شرعی ہے اور دوسری مباح الاصل ہے۔ مباح شرعی میں تبدل کیا جانا جائز نہ ہوگا اور یہ مداخلت فی الدین ہوگی اور مباح الاصل میں تغیر و تبدل جائز ہوگا۔

اب اس پر دوسری طرح بھی غور فرمائیں۔ امام غزالیؒ نے علماء وفقہاء اہل سنت کی جانب سے مباح کی متعدد حدود نقل کرنے کے بعد اس کی اپنے نظریہ کے تحت یہ تعریف کی ہے :-

بل حده انه الذی ورد الاذن من اللہ تعالیٰ بفعله وترکه۔ غیر مقرون بذم فاعله و مدحه۔ ویمکن ان یحد بانه الذی عرف الشرع انه لا ضرر علیه فی ترکه ولا فعله ولا نفع من حیث فعله وترکه [1]

بلکہ مباح کی تعریف یہ ہے کہ جس کے فعل و ترک دونوں جانبوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزاد رکھا گیا ہو۔ جس کا فاعل نہ برائی کا مستحق ہوگا نہ تعریف کا۔ اور اس طرح بھی مباح کی تعریف کی جا سکتی ہے۔ مباح وہ امر ہے جس کے متعلق شرع نے یہ بتلایا ہو کہ اس کے ترک یا فعل کسی میں نہ کوئی ضرر ہے اور نہ کوئی نفع ہے۔

مباح کی یہ تعریف اس امر پر صراحتاً دلالت کرتی ہے کہ مطلقاً مباح اس فعل کو کہتے ہیں جس کے فعل وترک کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت دے دی گئی ہو اور جس کا فاعل وتارک قابل مدح وذم نہ ہو۔ اور اس طرح بھی تعریف کی جا سکتی ہے، مباح وہ فعل ہے جس کے متعلق شارع نے یہ بتلا دیا ہو کہ اسے ترک کرنے یا اس پر عمل کرنے سے کوئی ضرر لاحق نہ ہوگا۔ اور نہ اس کے فعل وترک سے کوئی اجر و ثواب کا حق پیدا ہوگا۔ مقام غور ہے کہ ان دونوں تعریفوں میں سے اوّل تعریف میں "ورد الاذن من اللہ" کا جملہ اور دوسری میں "عرف الشرع" کا جملہ مطلقاً مباح کی تعریف میں آیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ امام غزالیؒ کے نزدیک مباح بکلیتہً شرعی ہی ہوتا ہے۔ اور جب مباح من کل جهة حکم شرعی ہے تو پھر تو ہر قسم کے مباح پر پابندی لگانا مداخلت فی الدین اور ناجائز ہوگا اور بڑے بڑے اخیار اُمت اس مداخلت فی الدین کی آتشیں لپیٹ میں آجائیں گے۔ اس سلسلے میں تبصرہ نگار نے حضرت عمرؓ کے عہد کا وہ واقعہ ذکر کیا ہے جس میں انھوں نے مہر کی زائد سے زائد مقدار مقرر فرما دی تھی اور پھر ایک قریشی عورت کے قرآنی آیت کی طرف توجہ دلانے پر وہ پابندی اٹھالی تھی۔ موصوف نے اس واقعہ کو تفسیر فتح القدیر سے نقل کیا ہے [2] اس کے بعد وہ لکھتے ہیں :

" حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] المستصفی جلد اوّل مطبوعہ مصر ۱۹۳۷ء ص ۴۲

[2] بینات ماہ صفر ۱۳۸۳ھ جلد ۲

ان کی اور صدیق اکبرؓ کی اقتداء کا خاص طور پر حکم بھی دیا ہے۔ علاوہ ازیں شریعت کی نظر میں مہر کی زیادتی کچھ پسندیدہ چیز بھی نہیں ہے۔ تاہم حضرت فاروق اعظم کی تحدید (حد مقرر کرنا) درست نہیں سمجھی گئی کیونکہ مہر کی زیادتی مباحات کی دوسری قسم میں داخل ہے اور قرآنی آیت اس پر دلالت کر رہی تھی۔“

مطلب یہ ہوا کہ مہر کی زیادتی چونکہ مباحات شرعیہ میں سے ہے اور مباح شرعی کے تبدل کا حق کسی کو نہیں۔ اور حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ میں نے مباح شرعی پر پابندی لگا کر غلطی کی ہے، اس لئے آپ نے اس سے رجوع فرما لیا۔

یہاں دوسری تفاصیل میں جانے سے قبل سب سے پہلے تو ہم یہ عرض کریں گے کہ فتح القدیر کی منقولہ روایت سے یہ مطلب کہ حضرت عمرؓ نے اس قریشی عورت کے اعتراض پر مباح شرعی میں مداخلت سے رجوع تھا کس طرح اخذ کیا گیا۔ کیا روایت میں یہ علت بیان کی گئی ہے! اگر یہ کہا جائے کہ صراحتاً تو نہیں البتہ دلالۃً یا اشارۃً یا اقتضاءً ایسا ہے تو یہ سوال ہوگا کہ وہ کس طرح؟ اس کے بعد ہم یہ عرض کریں گے کہ یہ روایت ہمارے اس مقصد کی دلیل ہے کہ مباح من حیث ہو، حضرت عمرؓ کی نظر میں قابل تبدل تھا اور اسی بنا پر انھوں نے یہ پابندی لگائی تھی۔ تبصرہ نگار یہ فرمائیں گے کہ صرف مباح الاصل ہونا پیش نظر تھا۔ جیسا کہ سڑک پر راستہ چلنا یا قصاب کا گوشت فروخت کرنا یا لباس پہننا لیکن ہماری نظر میں پابندی لگانے کے وقت بھی حضرت عمرؓ کی نظر میں یہ مباح شرعی ہی تھا۔ مباح الاصل نہ تھا۔ جبکہ تبصرہ نگار خود مہر کی زائد مقدار کو اپنے اس ارشاد کے تحت ”علاوہ ازیں شریعت کی نظر میں مہر کی زیادتی کچھ پسندیدہ چیز بھی نہیں ہے۔“ یہ تسلیم فرما رہے ہیں کہ مہر کی زائد مقدار شرعی نقطۂ نظر سے پسندیدہ چیز نہیں۔ تو اس سے صاف ظاہر ہوا کہ زائد مقدار مہر کے ناپسندیدہ ہونے کے متعلق ایسی نصوص موجود ہیں جو اس کی ناپسندیدگی پر دلالت کرتی ہیں اور جب کسی مباح کے متعلق نص شرعی وارد ہو تو بقول تبصرہ نگار کے وہ مباح شرعی کہلاتا ہے۔ اور اس کا تبدل جائز نہیں۔ (مسلسل)

* * *